سے متصل ہوں گے۔ اس کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جن کی گواہی ان کی قسم پر اور ان کی قسم ان کی گواہی پر سبقت کرے گی۔'' مطلب یہ کہ گواہی دینے کی حرص بڑھی ہوگی۔ ذمہ داری کا انھیں مطلق احساس نہ ہوگا۔

ابتدائے نبوت سے آخری صحابیؓ کی وفات کا زمانہ ۱۲۰ برس کا ہوتا ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۲۰ سال کی مدت میں دو دور (دورِ نبوت اور دورِ صحابہ) گزر گئے۔ تابعین کا زمانہ ۱۷۰ سال میں ختم ہوا۔ تبعِ تابعین کا زمانہ ۲۲۰ ہجری میں تمام ہوتا ہے۔ اس وقت تک امت میں کافی خرابیاں رونما ہو چکی تھیں۔ احادیث میں تین قرن تک خیر اور بھلائی کے غالب رہنے کی خبر دی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ اس کے بعد برائی غالب ہو جائے گی۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بھلائی دنیا سے ایک دم ناپید ہو جائے گی۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں ایسے لوگ موجود ہوں گے جو حق پر قائم ہوں گے اور دین کے فروغ کے لیے ان کی کوششیں جاری ہوں گی۔ اہلِ باطل کی کثرتِ تعداد اور ان کا غلبہ راہِ حق سے انھیں برگشتہ نہ کر سکے گا۔ بڑے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنے دور میں ان لوگوں کا ساتھ دینے کی سعادت حاصل کریں جو ہر طرح کی گم راہیوں اور بدعتوں سے دور رہ کر غلبۂ حق کے لیے کوشاں ہوں۔

توبہ واستغفار

(۱) عَنِ الْاَغَرِّ الْمُزَنِیِّ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ فَاِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَیْہِ فِی الْیَوْمِ مِائَۃَ مَرَّۃٍ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت اغر مزنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! خدا کے آگے توبہ کرو۔ میں دن میں سو بار اس کے آگے توبہ کرتا ہوں۔''

تشریح: یعنی میں خود بہ کثرت خدا کی جناب میں توبہ کرتا اور اس کی طرف رجوع ہوتا ہوں اس لیے تمھیں بھی توبہ کا التزام کرنا چاہیے۔

''میں سو بار اس کے آگے توبہ کرتا ہوں'' کا مطلب یہ ہے کہ میں خود کو اس کا ضرورت مند پاتا ہوں کہ بار بار خدا کی طرف متوجہ ہوں تاکہ وہ میری بھول چوک کو معاف فرمائے اور خدا کی جناب کے سوا میرا دل کہیں اور قرار نہ پکڑے اور اس لیے بھی کہ خدا کے سوا مجھے کہیں اور قرار نہیں

ملتا۔اس طرح مجھے خدا کی توجہ خاص اور اس کی عنایات کی بھی زیادہ سے زیادہ امید اور توقع ہوتی ہے جس کا ایک بندہ سب سے زیادہ ضرورت منداور محتاج ہوتا ہے۔

توبہ کرنے کا مطلب ہے رجوع کرنا، لوٹ آنا اور جھک جانا۔ اسی طرح ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف رجوع کرنا بھی توبہ ہے۔اس کے لیے ضروری نہیں کہ پہلی حالت بری ہی ہو بلکہ اچھی حالت سے اس سے بہتر حالت کی طرف رجوع کرنا بھی توبہ ہے۔ یہ لفظ خدا کے لیے بھی آتا ہے، اس وقت اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا بندے پر مہربان اور اس سے راضی ہوگیا۔اس نے بندے کی توبہ قبول فرمالی۔اس کی خطاؤں کو معاف کردیا اور اس کی طرف توجہ فرمائی۔

توبہ ایک بہترین اور پاکیزہ ترین اصطلاح ہے۔اس میں انتہا درجہ کی شان پردہ داری بھی پائی جاتی ہے۔ بندہ جب گھناؤنے سے گھناؤنے فعل کو خدا سے ڈر کر ترک کردیتا ہے اور عزم کرتا ہے کہ وہ اس فعل کا اب ہرگز مرتکب نہ ہوگا تو اس کے اس طرزِ عمل کو اعترافِ جرم (Confession) سے بلکہ توبہ سے تعبیر کرتے ہیں، گویا بندہ اپنے خدا کی طرف لوٹا اور اس کی طرف رجوع ہوا ہے جو ایک بہترین وظیفۂ حیات ہے۔اس طرح بندے کی عیب پوشی کی جاتی ہے، اس کے مقبولِ بارگاہ ہونے کی خبر دی جاتی ہے اور اسے رسوائی سے بچالیا جاتا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِىْ وَ اِنِّىْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِى الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت اغرمزنیؓ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''میرے دل پر پردہ پڑ جایا کرتا ہے، پس میں دن میں سَو بار استغفار کرتا ہوں۔''

تشریح: دلِ مصطفےٰ (ﷺ) کی حالت و کیفیت کو کوئی کیا بیان کرسکتا ہے۔پھر بھی شارحینِ حدیث نے اس حدیث کی شرح میں اپنے بعض احساسات کا اظہار کیا ہے۔رسولِ خدا ﷺ کی قلب کی حالت یہ تھی کہ آپؐ ہر آن اور ہر لمحہ خدا کو یاد کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے: كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ۔(مسلم) ''نبی ﷺ ہر آن خدا کو یاد کرتے تھے۔'' آپؐ چاہتے تھے کہ دل ہمہ وقت خدا کی جناب میں حاضر رہے اور حضوری کی کیفیت میں کسی قسم کا فرق واقع نہ ہو، لیکن آپؐ کی ذمہ داریاں بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے

کے علاوہ دعوتِ حق، جہاد اور لوگوں کی تعلیم و تربیت وغیرہ کتنے ہی امور تھے جن کی طرف آپؐ کو توجہ دینی پڑتی تھی۔ حساس قلب اسے بھی ایک طرح کی غفلت پر محمول کرتا تھا اور آپؐ اس کے لیے استغفار فرماتے تھے۔ بعض شارحین نے 'پردہ' (غین) سے مراد سکینہ لیا ہے جو قلبِ اطہر پر اترتا تھا اور دل پر چھا جاتا تھا۔ آپؐ کا استغفار درحقیقت اظہارِ شکر اور مزید کی طلب کے لیے تھا جیسا کہ آپؐ کا ارشاد ہے: اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ ''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔''

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِکُمْ وَ لَجَآءَ بِقَوْمٍ یُّذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ فَیَغْفِرُ لَهُمْ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو لازماً خدا تمھیں ختم کر کے ایسے لوگوں کو لے آئے جو گناہ کریں اور اللہ سے مغفرت کے طالب ہوں اور پھر خدا انھیں بخش دے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی تخلیق سے مطلوب یہ نہیں ہے کہ ان سے سرے سے کوئی گناہ ہی سرزد نہ ہو بلکہ بندے کے لیے اپنے گناہوں پر اصرار کرنا جرمِ عظیم ہے۔ بندہ اگر خدا کی طاعت میں زندگی گزارتا ہے تو اس کا رب قدرداں ہے، وہ اس کی نیکیوں کا اجر عطا فرمائے گا اور اگر کوئی گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر توبہ و استغفار کرتا اور اپنے گناہوں سے تائب ہوتا ہے تو اس کا رب غفور اور خطاؤں کا بخشنے والا ہے، وہ اس کی خطاؤں اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: کُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ خَطَّآءٌ وَ خَیْرُ الْخَطَّآئِیْنَ التَّوَّابُوْنَ۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر انسان خطا کار ہے اور بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہوتے ہیں۔''

تشریح: یعنی خطا تو انسان سے ہوتی ہی ہے۔ بشری کم زوریوں سے کون پاک ہے۔ لیکن بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی غلطی پر قائم نہیں رہتے بلکہ جلد سے جلد تائب ہو کر اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔ وہ ظلمت اور تاریکی میں پڑ تو سکتے ہیں لیکن اس میں وہ پڑے نہیں رہتے، اس سے نکلنے کی

کوشش کرتے ہیں۔ انھیں اصلاً تعلق روشنی سے ہوتا ہے، تاریکی سے نہیں۔ وہ خیر سے دل چسپی رکھتے ہیں، شر سے ان کا تعلق نہیں ہوتا۔

﴿۵﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ لَّزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَّخْرَجًا وَّ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَّ رَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

(احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ ان کا بیان ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص استغفار کو اپنے اوپر لازم کرلے تو اللہ ہر تنگی سے نکلنے کی راہ اس کے لیے پیدا کر دیتا ہے اور ہر رنج اور غم سے نجات عطا کرتا ہے اور اسے ایسی جگہ اور ایسے طریقے سے رزق بہم پہنچاتا ہے کہ جس کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔''

تشریح: بندہ ہر حالت میں خدا کا محتاج ہے۔ اس پر لازم ہے کہ استغفار کے ذریعہ سے اپنے رب سے وابستہ رہے۔ خوفِ خدا کا تقاضا بھی یہی ہے اور رحمتِ خداوندی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ قرآن میں بھی ہے: وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۝ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ (الطلاق:۲-۳) ''جو کوئی اللہ کا ڈر رکھے گا اس کے لیے وہ نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جس کا اسے گمان بھی نہ ہوگا۔ جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔'' قرآن کے یہ الفاظ حدیث کی تصدیق کرتے ہیں۔ استغفار کے منفعت بخش ہونے کی شاہد قرآن کی یہ آیات بھی ہیں: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا۝ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا۝ (نوح:۱۰-۱۳) ''پس میں نے کہا کہ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، یقیناً وہ بڑا مغفرت فرمانے والا ہے، وہ آسمانوں کو تم پر خوب برستا چھوڑے گا، وہ مال اور بیٹوں سے تمھیں فروغ عطا کرے گا اور تمھارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمھارے لیے نہریں جاری فرمائے گا۔ تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے لیے کسی وقار و عظمت کی توقع نہیں رکھتے۔''

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَللّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَتْ رَاحِلَتُهٗ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَ عَلَيْهَا طَعَامُهٗ

وَ شَرَابُهٗ فَاَیِسَ مِنْهَا فَاَتٰی شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِیْ ظِلِّهَا قَدْ اَیِسَ مِنْ رَّاحِلَتِهٖ فَبَیْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ هُوَ بِهَا قَآئِمَةٌ عِنْدَهٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَ اَنَا رَبُّكَ اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اپنے بندے کی توبہ پر جب وہ (گناہ کے بعد) معافی مانگنے کے لیے اس کی طرف پلٹتا ہے۔ تم میں سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری صحرا میں ہو پھر وہ سواری غائب ہوگئی اور اسی پر اس کا کھانا پانی بھی تھا (اس نے ادھر ادھر چھان مارا مگر سواری نہ مل سکی) وہ بالآخر مایوس ہوکر ایک درخت کے پاس آکر اس کے سایے میں لیٹ گیا۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ کیا دیکھتا ہے کہ اس کی سواری (اونٹنی) اس کے پاس کھڑی ہے۔ اس نے اس کی مہار پکڑ لی اور انتہائی مسرت میں اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے: 'اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔' یہ چوک وفورِ مسرت میں اس سے ہوئی (کہ غلط الفاظ اس کی زبان سے نکل گئے)۔''

تشریح: اظہارِ شکر کے طور پر کہنا تو یہ چاہیے تھا کہ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ وَ اَنَا عَبْدُكَ (خدایا، تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں) لیکن وفورِ مسرت میں وہ کچھ کا کچھ کہہ گیا۔ مطلب یہ ہے کہ بندے کی توبہ خدا کی رضا و خوشنودی کا باعث ہے۔ توبہ کرنے سے پہلے بندہ گویا کھو گیا تھا اور اس کی ہلاکت یقینی ہوگئی تھی لیکن توبہ کرکے اس نے اپنے زندہ ہونے کا ثبوت فراہم کردیا اور ضائع ہونے سے اپنے کو بچا لیا۔ خدا چاہتا یہی ہے کہ اس کا کوئی بھی بندہ جس کو اس نے بہترین فطرت پر تخلیق فرمایا ہے ضائع اور تباہ نہ ہو۔

〈۷〉 وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْمَا یَرْوِیْ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی اَنَّهٗ قَالَ: یٰعِبَادِیْ اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ وَ جَعَلْتُهٗ بَیْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا یٰعِبَادِیْ كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَیْتُهٗ فَاسْتَهْدُوْنِیْ اَهْدِكُمْ یٰعِبَادِیْ كُلُّكُمْ جَآئِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُهٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِیْ اُطْعِمْكُمْ یٰعِبَادِیْ كُلُّكُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ كَسَوْتُهٗ فَاسْتَكْسُوْنِیْ اَكْسُكُمْ یٰعِبَادِیْ اِنَّكُمْ تُخْطِؤُنَ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَ اَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِیْ اَغْفِرْ لَكُمْ یٰعِبَادِیْ اِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضَرِّیْ

فَتَضُرُّوْنِیْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِیْ فَتَنْفَعُوْنِیْ یٰعِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَ اٰخِرَکُمْ وَ اِنْسَکُمْ وَ جِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ مَّا زَادَ ذٰلِکَ فِیْ مُلْکِیْ شَیْئًا یٰعِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَ اٰخِرَکُمْ وَ اِنْسَکُمْ وَ جِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ مَّا نَقَصَ ذٰلِکَ مِنْ مُّلْکِیْ شَیْئًا یٰعِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَ اٰخِرَکُمْ وَ اِنْسَکُمْ وَ جِنَّکُمْ قَامُوْا فِیْ صَعِیْدٍ وَّاحِدٍ فَسَأَلُوْنِیْ فَاَعْطَیْتُ کُلَّ اِنْسَانٍ مَّسْئَلَتَهٗ مَا نَقَصَ ذٰلِکَ مِمَّا عِنْدِیْ اِلَّا کَمَا یَنْقُصُ الْمِخْیَطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ یٰعِبَادِیْ هِیَ اِنَّمَا اَعْمَالُکُمْ اُحْصِیْهَا عَلَیْکُمْ ثُمَّ اُوَفِّیْکُمْ اِیَّاهَا فَمَنْ وَّجَدَ خَیْرًا فَلْیَحْمَدِ اللّٰهَ وَ مَنْ وَّجَدَ غَیْرَ ذٰلِکَ فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ان روایات کے ضمن میں جو آپؐ اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے تھے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اور اسے تمھارے درمیان بھی حرام ٹھہرایا ہے۔ پس تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو! تم میں ہر ایک گم راہ ہے سوائے اس کے جس کو میں نے ہدایت دی۔ پس مجھ سے ہدایت کے طالب ہو میں تمھاری رہ نمائی کروں گا۔ اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اس کے جس کو میں نے کھلایا۔ پس تم مجھ سے کھانا مانگو، میں تمھیں کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک ننگا ہے سوائے اس کے جس کو میں نے پہننے کو دیا۔ پس تم مجھ سے لباس مانگو، میں تمھیں پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم رات دن خطائیں کرتے رہتے ہو اور میں تمام خطاؤں کو بخشتا ہوں۔ پس مجھ سے بخشش کے طالب ہو، میں تمھیں بخش دوں گا۔ اے میرے بندو! تم (اگر گناہ کر کے) مجھے نقصان پہنچانا چاہو گے تو مجھے ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور (اگر نیک کام کر کے) مجھے فائدہ پہنچانا چاہو گے تو ہرگز مجھے فائدہ نہیں پہنچا سکو گے۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور تمھارے پچھلے اور تمھارے انس وجن تمھارے اپنے ایک شخص کے نہایت خدا ترس دل کے مانند ہو جائیں تو اس سے میرے اختیار اور بادشاہی میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور تمھارے پچھلے اور تمھارے انس وجن تمھارے ایک شخص کے بدتر و فاجر تر دل کے مانند ہو جائیں تو

اس سے میری بادشاہی میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور تمھارے پچھلے اور تمھارے انس وجن سب کے سب ایک جگہ کھڑے ہوکر مجھ سے مانگیں اور میں ہر انسان کو اس کی طلب کے مطابق دوں تو اس سے میرے پاس جو کچھ ہے اس میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی، ہوگی تو بس ایسی ہی جیسی کہ سمندر میں کسی سوئی کے ڈالنے کے وقت (اس سمندر کے پانی میں) ہوتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ تو بس تمھارے اعمال ہیں جن کو میں تمھاری خاطر گن رکھتا ہوں پھر میں تم کو انھیں پورا پورا ادا کردوں گا۔ لہٰذا جو کوئی بھلائی پائے اس کو چاہیے کہ وہ خدا کی حمد کرے اور جو اس سے مختلف دوسری چیز پائے وہ بس خود کو ملامت کرے۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خدا اگر بندے کو یوں ہی چھوڑ دے اور اس کی ہدایت کا سامان نہ کرے تو وہ ہرگز ہدایت حاصل نہیں کرسکتا۔ وہ ضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا رہے گا اور اپنی اس فطرت سے بے گانہ ہوجائے گا جس کا ذکر حدیث کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ ''ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے'' کیا کیا گیا ہے۔

ایک اور حدیث میں ''کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَیْتُهٗ'' (تم میں سے ہر ایک گم راہ ہے سوائے اس کے جس کو میں نے ہدایت دی) کے مفہوم کو ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فِیْ ظُلْمَةٍ ثُمَّ رَشَّ عَلَیْهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ'' ''بلاشبہ خدا نے خلق کو تاریکی میں پیدا فرمایا پھر اس پر اپنے نور کی پھوار برسائی۔'' اس پھوار ہی کے ذریعہ سے تاریکی سے نجات ممکن ہوسکی۔ خدا کے نور کے مقابل جو کچھ ہے وہ تاریکی ہے۔ خدا سے بے نیاز ہوکر انسان ظلمت سے ہرگز نہیں نکل سکتا۔

داد و دہش سے خدا کے یہاں ہرگز کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اسی کو سمندر اور سوئی کی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے۔ مثال سے بات ذہن میں نقش ہوجاتی ہے اور اسے یاد رکھنا بھی آسان ہوتا ہے۔

حدیث کے یہ آخری الفاظ اس حدیث کا ماحصل ہیں۔ انسان کو جو اور جس طرح کی بھلائی حاصل ہو وہ درحقیقت خدا کی عنایت ہے۔ وہ اپنے بندے پر بے انتہا عنایات کرنے کی پوزیشن میں ہے، اس کی قدرت اور رحمت بے پایاں ہے... وہ اپنی ذات کے لحاظ سے بے نیاز اور غنی عن العالمین ضرور ہے لیکن اس کی رحمتوں اور فیاضیوں سے سارا عالم فیض یاب ہوسکتا ہے۔

بندے کے لیے لازم ہے کہ خیر اور بھلائی میں حصہ پا کر خدا کا شکر گزار ہو اور اس کی حمد کرے اور اگر وہ بھلائی سے محروم رہتا ہے تو اس میں قصور خود بندے کا ہے خدا کا نہیں۔ اسے ملامت کرنی ہے تو خود کو ملامت کرے۔ خدا نے تو اپنی رحمت کا دروازہ سب ہی کے لیے کھلا رکھا ہے۔ اب اگر کوئی خود کو خدا کی رحمت سے الگ رکھتا ہے تو وہ خود اپنے اوپر ظلم کو روا رکھتا ہے اس کی ذمہ داری خود اسی پر عائد ہوتی ہے۔

امید و بیم

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَوْ یَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْعُقُوْبَةِ مَا طَمِعَ بِجَنَّتِهٖ اَحَدٌ وَلَوْ یَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ جَنَّتِهٖ اَحَدٌ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جو عذاب اللہ کے پاس ہے اگر اہلِ ایمان اسے جان لیں تو کوئی بھی اس کی جنت کی طمع نہ کر سکے اور جو رحمت اللہ کے پاس ہے اس کا علم اگر اہلِ کفر کو ہو جائے تو کوئی بھی اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔''

تشریح: دنیا میں کسی بندے کے لیے جو طرزِ عمل صحیح اور درست ہو سکتا ہے وہ یہی کہ اس کا دل نہ خوفِ خدا سے کبھی خالی ہو اور نہ وہ کبھی خدا کی رحمت سے مایوس ہو۔ زندگی کو درست رکھنے کے لیے خوف اور امید دونوں کی ضرورت ہے۔ خوف انسان کو خدا کی نافرمانی سے باز رکھے گا اور امید اسے نیکیوں کی طرف لے جائے گی۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ یہ خوف اور امید بے بنیاد اور وہم پر ہرگز مبنی نہیں ہے۔ خدا کے پاس ایسا دردناک عذاب مہیا ہے کہ وہ اگر صحیح طور پر ایک مومن بندہ کے بھی علم میں آ جائے تو اس کی جنت کی آرزو ختم ہو جائے اور اسے یہ گمان ہونے لگے کہ اس عذاب اور غضبِ خداوندی سے بچ نکلنا کسی بھی شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ کچھ خبر نہیں کہ کون اس کی لپیٹ میں آ جائے۔ عذاب کی اس شدت کے مقابلے کے لیے ہمارے پاس جو یقین و عمل ہے اس میں وہ قوت و اثر کہاں کہ وہ غضبِ الٰہی کی شدت کو کم کر سکے۔

اسی طرح اگر کافر شخص کو جو کسی طرح بھی رحمت کا مستحق نہیں ہے خدا کی رحمت کا صحیح علم ہو سکے تو وہ بھی خدا سے امید قائم کرنے لگ جائے گا اور اسے یہ گمان ہوگا کہ خدا کی رحمت جب